محمد جعفر پھلواروی

بات ایک قلم دو

"یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہوجاتا ہے کہ کیا وہ شخص جس کی زبان عربی نہ ہو اپنی کسی عجمی زبان میں بھی حمد و ثناء بحالتِ نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟"

"فقہاء میں شمس الائمہ سرخسیؒ (متوفی ۴۹۰ھ) جس مرتبہ و منزلت کے بزرگ ہیں ہر طالبِ علم پر روشن ہے۔ ان کی ضخیم المبسوط فقہ حنفی کی امہات کتب میں سے ہے۔ اسی کتاب کی جلد اول باب افتتاح الصلاۃ میں جہاں پر بحث ہے کہ اذان و تکبیر نماز و خطبہ جمعہ و قرأت نماز فارسی میں جائز ہیں یا نہیں، یہ روایت بھی لائے ہیں:

روی ان الفرس کتبوا الی سلمان رضؓ ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ فکانوا یقرءون ذالک فی الصلوٰۃ حتی لانت السنتھم العربیۃ ص ۳۷

فارسی والوں (یعنی ایران کے نومسلموں) نے حضرت سلمان فارسیؓ کی خدمت میں لکھا کہ وہ انھیں سورۂ فاتحہ کی فارسی لکھ بھیجیں۔ چنانچہ وہ لوگ نماز میں یہی پڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کی زبان سے عربی کے الفاظ نکلنے لگے۔

سلمانؓ صحابی اور ایک ممتاز صحابی تھے۔ اگر انھوں نے یہ عمل رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں اور آپؐ کی اجازت سے کیا جب تو اس کی مشروعیت ظاہر ہی ہے۔ لیکن اگر آپؐ کے بعد اپنے اجتہاد سے لکھ بھیجا جب بھی آپ کا حکم ایک ممتاز صحابی رسولؐ کا حکم تھا جس میں چون و چرا کی گنجائش مشکل ہی سے نکل سکتی ہے۔"

اس ایک واقعہ سے کئی حقیقتوں پر روشنی پڑ گئی۔

۱۔ ایک تو ترجمۂ قرآن کریم کی قدامت ثابت ہو گئی۔ سب سے پہلا ترجمہ ایک قرآنی سورت کا ایک صحابی رسولؐ کا کیا ہوا معلوم ہو گیا۔

۲۔ دوسرے عذر کی حالت میں جوازِ نماز دوسری زبان میں نکل آیا۔

۳۔ لیکن اس جواز کی عمر بھی مدتِ معذوری تک محدود رہی۔ یہ نہیں ہوا کہ عجم و غیر عرب کو مستقل اجازت اپنی زبان میں نماز پڑھنے کی مل گئی ہو۔ جوں ہی معذوری (بعد کوشش) دور ہو گئی حکم جواز بھی منسوخ ہو گیا۔

آج بھی غیر عرب کے لیے حسبِ ضرورت بہت سی رعائتوں کی گنجائش ہے۔ جیسی کہ سب معذوروں کے لیے ہے۔ لیکن امت کے کسی طبقہ کو نماز میں عربی کی قید سے بالکل مستثنیٰ کر دینا نہ صرف یہ کہ کوئی سند نہیں رکھتا بلکہ وحدتِ امت کے ایک عملی پہلو پر ضرب کاری لگاتا ہے۔

دونوں عبارتیں آپ کے سامنے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک عبارت کو آج اور دوسری کو کچھ عرصے کے بعد پڑھے تو یہی کہے گا کہ "دونوں عبارتیں ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی ہیں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلی عبارت الدین یسرؒ[1] ص ۲۰۶ کی ہے۔ اور دوسری اس کے پانچ چھ سال بعد صدقِ جدید ۱۰-۳-۶۱ کے صفحۂ اول کی زینت بنی ہے۔ ہمیں اس ہم آہنگی پر خوشی ہوئی: متفق گردید رائے بوعلی با رائے من۔

لیکن ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (بھارت) کے تبصرے کا ہمیں بے چینی سے انتظار رہے گا کیونکہ اس نے پہلی عبارت کی وجہ سے الدین یسرؒ کی پوری کتاب کو "دینی حیثیت سے سخت گمراہ کن" قرار دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو معارف میں شایع شدہ تبصرہ) دوسری عبارت پر ابھی تک کچھ نہیں لکھا ہے اور

---

(۱) تصنیف محمد جعفر پھلواروی

کچھ لکھنے کی امید بھی نہیں۔

لیست ھذہ باول قارورۃ کسرت فی الاسلام ایک پرانی مثل چلی آ رہی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ کوئی پہلی غلطی نہیں۔ اسی طرح کی ایک غلطی اس سے پہلے بھی معارف کر چکا ہے مشرکوں سے نکاح کے متعلق جو کچھ الدین لیسر میں لکھا گیا تھا اسے بھی معارف نے دینی حیثیت سے سخت گمراہ کن قرار دیا تھا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد مرزا مظہر جانِ جاناں کی لکھی ہوئی بالکل وہی باتیں شائع کیں اور ان کو خوب سرا ۔

اس کا نفسیاتی جائزہ لیجیے تو بظاہر یہی نظر آئے گا کہ بعض حضرات صرف انھی باتوں کو درست سمجھتے ہیں جو ان کے قلم سے نکلیں۔ اگر وہی باتیں کوئی دوسرا لکھ دے تو اس لیے قابلِ رد ہوتی ہیں کہ وہ چیز خود ان کے قلم سے کیوں نہ نکلیں۔ ہمیں ہنوز یہی توقع ہے کہ یہ حضرات ہماری ان تمام باتوں کو رفتہ رفتہ مانتے چلے جائیں گے جن پر آج یہ اعتراض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تعددِ ازدواج کے مسئلے میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ حلقۂ معارف نے ہماری پُرزور مخالفت کی۔ مگر اسی حلقے سے ایک مردِ قلندر نے جرأت مندانہ قدم اٹھایا اور اپنی زندگی کا آخری مضمون ہماری تائید میں لکھا۔ اس مضمون کی معارف میں پذیرائی نہ ہو سکی تو انھوں نے اسے ثقافت میں اشاعت کے لیے بھیج دیا جو شائع ہو گیا۔ یہ تھے مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان سے حلقۂ معارف کو غالباً اور بھی چند مسائل میں اختلاف تھا مگر یہ خبر ہمارے لیے بہت تکلیف دہ تھی کہ بعض حضرات نے اس مرحوم کو اس لائق بھی نہ سمجھا کہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے (رواہ رجل اعظمی صدوق لا یکذب)